اَلنّٰزِعٰت An-Naziat

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

Name

It is derived from the word *wan-naziat* with which the Surah opens.

Period of Revelation

According to Abdullah bin Abbas, this Surah was revealed after Surah An-Naba. Its subject matter also testifies that it belongs to the earlier period at Makkah.

Theme and Subject Matter

Its theme is affirmation of Resurrection and the life Hereafter; It also warns of the consequences of belying the

Messenger (peace be upon him) of God.

The Surah opens with oaths sworn by the angels who take the souls at death and those who hasten to carry out Allah's commands, and those who conduct the affairs of the universe according to divine will, to assure that the Resurrection will certainly come to pass and the second life after death will certainly take place. For the angels who are employed to pluck out the soul today can also be employed to restore the soul tomorrow, and the angels who promptly execute Allah's commands and conduct the affairs of the universe today can also upset the order of the universe tomorrow by orders of the same God and can also bring about a new order.

After this the people have been told, so as to say: This work which you regard as absolutely impossible is not any difficult for Allah, for which He may have to make lengthy preparations. Just a single jolt will upset this system of the world and a second jolt will be enough to cause you to appear as living beings in the new world. At that time the same people who were wont to deny it, would be trembling with fear and seeing with awe struck eyes all that they thought was impossible.

Then, relating the story of the Prophet Moses (peace be upon him) and Pharaoh briefly, the people have been warned to the effect: You know well what fate the Pharaoh met in consequence of belying the Messenger and rejecting the guidance brought by him and endeavoring to defeat his mission by trickery and deceit. If you do not learn any lesson from it and do not change your ways and attitude

accordingly, you will also have to meet the same fate.
Then, in verses 27-33, arguments have been given for the Hereafter and life after death. In this regard, the deniers have been asked the question: Is your resurrection a more difficult task or the creation of the huge universe which spreads around you to infinite distances with myriads of its stars and planets? Your re-creation cannot be difficult for the God for Whom this was an easy task. Thus, after presenting in a single sentence, a decisive argument for the possibility of the Hereafter, attention has been drawn to the earth and its provisions that have been arranged in it for the sustenance of man and animal and of which everything testifies that it has been created with great wisdom for fulfilling some special purpose. Pointing to this the question has been left for the intellect of man to ponder for itself and form the opinion whether calling man to account after having delegated authority and responsibilities to a creature like him in this wise system would be more in keeping with the demands of wisdom, or that he should die after committing all sorts of misdeeds in the world and should perish and mix in the dust forever and should never be called to account as to how he employed the authority and fulfilled the responsibilities entrusted to him. Instead of discussing this question, in verses 34-41, it has been said: When the Hereafter is established, men's eternal future will be determined on the criterion as to which of them rebelled against his God transgressing the bounds of service and made the material benefits and pleasures his objective of life and which of them feared standing before his Lord and

refrained from fulfilling the unlawful desires of the self. This by itself provides the right answer to the above question to every such person who considers it honestly and free from stubbornness. For the only rational, logical and moral demand of giving authority and entrusting responsibilities to man in the world is that he should be called to account on this very basis ultimately and rewarded or punished accordingly.

In conclusion, the question of the disbelievers of Makkah as to when Resurrection will take place has been answered. They asked the Prophet (peace be upon him) this question over and over again. In reply to, it has been said that the knowledge of the time of its occurrence rests with Allah alone. The Messenger is there only to give the warning that it will certainly come. Now whoever wishes may mend his ways, fearing its coming, and whoever wishes may behave and conduct himself as he likes, fearless of its coming. When the appointed time comes, those very people who loved the life of this world and regarded its pleasures as the only object of life would feel that they had stayed in the world only for an hour or so. Then they will realize how utterly they had ruined their future forever for the sake of the short lived pleasures of the world.

نام

پہلے ہی لفظ اَلنّٰزِعٰتِ سے ماخوذ ہے۔

زمانہ نزول

حضرت عبد اللہ بن عباس کا بیان ہے کہ یہ سورہ نباء (عم یتسآءلون) کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔

موضوع اور مضمون

اس کا موضوع قیامت اور زندگی بعد موت کا اثبات ہے اور ساتھ ساتھ اس بات پر تنبیہ بھی کہ خدا کے رسول کو جھٹلانے کا انجام کیا ہوگا۔

آغاز کلام میں موت کے وقت جان نکالنے والے، اور اللہ کے احکام کو بلا تاخیر بجانے والے، اور حکم الٰہی کے مطابق ساری کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوگی اور موت کے بعد دوسری زندگی ضرور پیش آکر رہے گی۔ کیونکہ جن فرشتوں کے ہاتھوں آج جان نکالی جاتی ہے، انہی کے ہاتھوں دوبارہ جان ڈالی بھی جا سکتی ہے، اور جو فرشتے آج اللہ کے حکم کی تعمیل بلا تاخیر بجا لاتے اور کائنات کا انتظام چلاتے ہیں، وہی فرشتے کل اسی خدا کے حکم سے کائنات کا یہ نظام درہم برہم بھی کر سکتے ہیں اور ایک دوسرا نظام قائم بھی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ یہ کام، جسے تم بالکل ناممکن سمجھتے ہو، اللہ تعالٰی کے لیے سرے سے کوئی دشوار کام ہی نہیں ہے جس کے لیے کسی بڑی تیاری کی ضرورت ہو۔ بس ایک جھٹکا دنیا کے اس نظام کو درہم برہم کر دے گا، اور دوسرا جھٹکا اس کے لیے بالکل کافی ہوگا کہ دوسری دنیا میں یکایک تم اپنے آپ کو زندہ موجود پاؤ گے۔ اس وقت وہی لوگ جو اس کا انکار کر رہے تھے، خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ سب کچھ ہوتے دیکھ رہے ہوں گے جس کو وہ اپنے نزدیک ناممکن سمجھتے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختصراً بیان کر کے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ رسول کو جھٹلانے اور اس کی ہدایت و رہنمائی کو رد کرنے اور چالبازیوں سے اس کو شکست دینے کی کوشش کا کیا انجام فرعون دیکھ چکا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کر کے اس روش سے باز نہ آؤ گے تو وہی انجام تمہیں بھی دیکھنا پڑے گا۔

اس کے بعد آیت 27 سے 33 تک آخرت اور حیات بعد الموت کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے منکرین سے پوچھا گیا ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کر دینا زیادہ سخت کام ہے یا اس عظیم کائنات کو پیدا کرنا جو عالم بالا میں اپنے بے حد و حساب ستاروں اور سیاروں کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے؟ جس خدا کے لیے یہ کام مشکل نہ تھا اس کے لیے تمہاری بارِ دگر تخلیق آخر کیوں مشکل ہوگی؟ صرف ایک فقرے میں امکانِ آخرت کی یہ مسکت دلیل پیش کرنے کے بعد زمین اور اس سروسامان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو زمین میں انسان اور

حیوان کی زیست کے لیے فراہم کیا گیا ہے اور جس کی ہر چیز اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ وہ بڑی حکمت کے ساتھ کسی نہ کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یہ اشارہ کر کے اس سوال کو انسان کی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ خود اپنی جگہ سوچ کر رائے قائم کرے کہ آیا اس حکیمانہ نظام میں انسان جیسی مخلوق کو اختیارات اور ذمہ داریاں سونپ کر اس کا محاسبہ کرنا زیادہ مقتضائے حکمت نظر آتا ہے، یا یہ کہ وہ زمین میں ہر طرح کے کام کر کے مر جائے اور خاک میں مل کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے اور کبھی اس سے حساب نہ لیا جائے کہ ان اختیارات کو اس نے کیسے استعمال کیا اور ان ذمہ داریوں کو کس طرح ادا کیا؟ اس سوال پر بحث کرنے کے بجائے آیات 34 – 41 میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں حدِ بندگی سے تجاوز کر کے اپنے خدا سے سرکشی کی اور دنیا ہی کے فائدوں اور لذتوں کو مقصود بنا لیا، اور کس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی ناجائز خواہشات کو پورا کرنے سے احتراز کیا۔ یہ بات خود بخود اوپر کے سوال کا صحیح جواب ہر اس شخص کو بتا دیتی ہے جو ضد اور ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر ایمانداری کے ساتھ اس پر غور کرے۔ کیونکہ انسان کو دنیا میں اختیارات اور ذمہ داریاں سونپنے کا بالکل عقلی، منطقی اور اخلاقی تقاضا یہی ہے کہ اسی بنیاد پر آخر کار اس کا محاسبہ کیا جائے اور اسے جزا یا سزا دی جائے۔

آخر میں کفار مکہ کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ قیامت آئے گی کب؟ یہ سوال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار کرتے تھے۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے وقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ رسول کا کام صرف خبردار کر دینا ہے کہ وہ وقت آئے گا ضرور۔ اب جس کا جی چاہے اس کے آنے کا خوف کر کے اپنا رویہ درست کر لے اور جس کا جی چاہے بے خوف ہو کر شترِ بے مہار کی طرح چلتا رہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو وہی لوگ جو اس دنیا کی زندگی پر مرمٹتے تھے اور اسی کو سب کچھ سمجھتے تھے، یہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں وہ صرف گھڑی بھر ٹھیرے تھے۔ اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر انہوں نے کس طرح ہمیشہ کے لیے اپنا مستقبل برباد کر لیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔	In the name of Allah, Most Gracious, Most Merciful.

1. By those (angels) who pull out (soul) with violence.	قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو کھینچ لیتے ہیں (روح) سختی سے۔	وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾
2. And those who draw out gently.	اور انکی جو نکالتے ہیں آسانی سے۔	وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾
3. And those who glide about swiftly.	اور انکی جو تیرتے جاتے ہیں تیزی سے۔	وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾
4. Then hasten out as in race (to carry command).	پھر سبقت لے جاتے ہیں دوڑ کر (حکم لے جانے کو)۔	فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾
5. Then conduct the affairs. *1	پھر انتظام کرتے ہیں معاملات کا *1۔	فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾

*1 Here, the object for which an oath has been sworn by beings having five qualities has not been mentioned; but the theme that follows by itself leads to the conclusion that the oath has been sworn to affirm that the Resurrection is a certainty, which must come to pass, when all dead men shall be resurrected. Nor is there any mention as to what are the beings possessed of the qualities. However, a large number of the companions and their immediate successors and most of the commentators have expressed the opinion that they are the angels. Abdullah bin Masud, Abdullah bin Abbas, Masruq, Saeed bin Jubair, Abu salih Abud-Duha and Suddi say that “those who pull out with violence and those who draw out gently” imply the angels, who wrench out the soul of man at death from the very depths of his body, from its every fiber. “Those who glide about swiftly”,

according to Ibn Masud, Mujahid, Saeed bin Jubair and Abu Salih, also imply the angels, who hurry about swiftly in execution of divine commands as though they were gliding through space. The same meaning of "those who hasten out as in a race" has been taken by Ali, Mujahid, Masruq, Abu Salih and Hasan Bari, and hastening out implies that each one of them hurries on his errand as soon as he receives the first indication of divine will. "Those who conduct the affairs" also imply the angels as has been reported from Ali, Mujahid, Ata Abu Salih, Hasan Bari, Qatadah, Rabi bin Anas and Suddi. In other words, these are the workers of the kingdom of the universe, who are conducting all the affairs of the world in accordance with Allah's command and will. Though this meaning of these verses has not been reported in any authentic Hadith from the Prophet (peace be upon him), while this meaning has been given by some major companions and their immediate successors and pupils, one is led to form the view that they must have obtained this knowledge from the Prophet (peace be upon him) himself.

Now the question arises: On what basis has the oath been sworn by these angels for the occurrence of the Resurrection and life after death when they themselves are as imperceptible as the thing for the occurrence of which they have been presented as an evidence and as an argument. In our opinion the reason is (and Allah has the best knowledge) that the Arabs were not deniers of the existence of the angels. They themselves admitted that at the death the soul was taken out by the angels; they also

believed that the angels moved at tremendous speeds; they could reach any place between the earth and the heavens instantly and promptly execute any errand that was entrusted to them. They also acknowledged that the angels are subordinate to divine will and they conduct the affairs of the universe strictly and precisely in accordance with divine will; they are not independent and masters of their will. They regarded them as daughters of Allah out of ignorance and worshipped them as deities, but they did not believe that they possessed the real authority as well. Therefore, the basis of the reasoning from the above mentioned attributes for the occurrence of the Resurrection and life after death is that the angels who took the soul by the order of God, could also restore the soul by the order of the same God; and the angels who conducted the affairs of the universe by the order of God could also upset this universe by the order of the same God whenever He so ordered them and could also bring about a new world order. They would not show any negligence or delay in the execution of His command.

1* یہاں پانچ اَوصاف رکھنے والی ہستیوں کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے اس کی وضاحت نہیں کی گئی ۔ لیکن بعد کا مضمون اِس امر پر خود دلالت کرتا ہے کہ یہ قسم اِس بات پر کھائی گئی ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اور تمام مرے ہوئے انسان ضرور از سرِ نو زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ۔ اِس کی وضاحت بھی نہیں کی گئی کہ یہ پانچ اوصاف کن ہستیوں کے ہیں، لیکن صحابہ اور تابعین کی بڑی تعداد نے اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس، مسروق، سعید بن جبیر، ابو صالح، ابو الضحیٰ اور سدّی کہتے ہیں کہ ڈوب کر کھینچنے والوں اور آہستگی سے نکال لے جانے والوں سے مراد وہ

فرشتے ہیں جو موت کے وقت انسان کی جان کو اس کے جسم کی گہرایوں تک اُتر کر اور اس کی رگ رگ سے کھینچ کر نکالتے ہیں۔ تیزی سے تیرتے پھرنے والوں سے مراد بھی حضرت علی، حضرت ابن مسعود، مجاہد، سعید بن جبیر اور ابو صالح نے فرشتے ہی لیے ہیں جو احکامِ الہٰی کی تعمیل میں اِس طرح تیزی سے رواں دواں رہتے ہیں جیسے کہ وہ فضا میں تیر رہے ہوں۔ یہی مفہوم "سبقت کرنے والوں" کا حضرت علی، مجاہد، مسروق، ابو صالح اور حسن بصری نے لیا ہے اور سبقت کرنے سے مراد یہ ہے کہ حکمِ الہٰی کا اشارہ پاتے ہی اُن میں سے ہر ایک اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتا ہے۔ "معاملات کا انتظام چلانے والوں" سے مراد بھی فرشتے ہیں، جیسا کہ حضرت علی، مجاہد، عطاء، ابو صالح، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس، اور سدّی سے منقول ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ سلطنتِ کائنات کے وہ کارکن ہیں جن کے ہاتھوں دنیا کا سارا انتظام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چل رہا ہے۔ اِن آیات کے یہ معنی اگرچہ کسی صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہوئے ہیں، لیکن چند اکابر صحابہ نے، اور اُن تابعین نے جو صحابہ ہی کے شاگرد تھے، جب ان کا یہ مطلب بیان کیا ہے تو گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ علم حضورؐ ہی سے حاصل کیا گیا ہوگا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وقوعِ قیامت اور حیات بعد الموت پر اِن فرشتوں کی قسم کس بنا پر کھائی گئی ہے جبکہ یہ خود بھی اُسی طرح غیر محسوس ہیں جس طرح وہ چیز غیر محسوس ہے جس کے واقع ہونے پر ان کو بطور شہادت اور بطورِ استدلال پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے، واللہ اعلم، کہ اہلِ عرب فرشتوں کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ وہ خود اِس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ موت کے وقت انسان کی جان فرشتے ہی نکالتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ فرشتوں کی حرکت انتہائی تیز ہے، زمین سے آسمان تک آناً فاناً وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ہر کام جس کا انہیں حکم دیا جائے بلا تاخیر انجام دیتے ہیں۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ یہ فرشتے حکم الہٰی کے تابع ہیں اور کائنات کا انتظام اللہ تعالیٰ ہی کے امر سے چلاتے ہیں، خود مختار اور اپنی مرضی کے مالک نہیں ہیں۔ جہالت کی بنا پر وہ ان کو اللہ کی بیٹیاں ضرور کہتے تھے اور اُن کو معبود بھی بنائے ہوئے تھے، لیکن اُن کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ اصل اختیارات انہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس لیے

یہاں وقوعِ قیامت اور حیات بعد الموت پر اُن کے مذکورہ بالا اوصاف سے استدلال اس بنا پر کیا گیا ہے کہ جس خدا کے حکم سے فرشتے تمہاری جان نکالتے ہیں اسی کے حکم سے وہ دوبارہ جان ڈال بھی سکتے ہیں۔ اور جس خدا کے حکم سے وہ کائنات کا انتظام چلا رہے ہیں اسی کے حکم سے، جب بھی اُس کا حکم ہو، اِس کائنات کو وہ درہم برہم بھی کر سکتے ہیں، اور ایک دوسری دنیا بنا بھی سکتے ہیں۔ اُس کے حکم کی تعمیل میں ان کی طرف سے ذرّہ برابر بھی سستی یا لمحہ بھر کی تاخیر بھی نہیں ہو سکتی۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦	جس دن ہلا ڈالے گا زلزلے کا جھٹکا۔	6. The Day when the shaking will be caused by a violent jolt.
تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧	اس کے پیچھے آئے گا دوسرا جھٹکا۔ *2	7. Which is followed by another jolt. *2

*2 The first jolt implies the jolt which will destroy the earth and everything on it, and the second jolt at which all dead men will rise up from death and from their graves. This same state has been described in Surah Az-Zumar, thus: And when the Trumpet shall be blown on that Day, all those who are in the heavens and the earth shall fall down dead except those whom Allah may allow (to live). Then the Trumpet shall be blown again and they will all stand up, looking around. (verse 68).

*2 پہلے جھٹکے سے مراد وہ جھٹکا ہے جو زمین اور اس کی ہر چیز کو تباہ کر دے گا اور دوسرے جھٹکے سے مراد وہ جھٹکا ہے جس کے بعد تمام مردے زندہ ہو کر زمین سے نکل آئیں گے۔ اِسی کیفیت کو سورہ زُمر میں یوں بیان کیا گیا ہے "اور صور پھونکا جائے گا تو زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں وہ سب مر کر گر جائیں گے سوائے اُن کے جنہیں اللہ (زندہ رکھنا) چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ سب اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے"۔ (آیت ٦٨)

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ ﴿٨﴾	دل اس دن خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ *3	8. Hearts on that Day shall tremble with fear. *3

*3 Hearts shall tremble: because, according to the Quran, only the disbelievers, the wicked people and the hypocrites will be terror-stricken on the Resurrection Day, the righteous believers will remain secure from this terror. About them in Surah Al-Anbiya (verse 103) it has been said: The time of great fright will not trouble them at all; the angels will rush forth to receive them, saying: This is the very day which you were promised.

*3 "کچھ دل" کے الفاظ اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے صرف کفار و فجار اور منافقین ہی پر قیامت کے روز ہوَل طاری ہو گا۔ مومنینِ صالحین اُس ہول سے محفوظ ہوں گے۔ سورہ انبیاء میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ "وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت اُن کو ذرا پریشان نہ کرے گا اور ملائکہ بڑھ کر اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا" (آیت ۱۰۳)

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ ﴿٩﴾	انکی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔	9. Their eyes humbled.
يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۭ ﴿١٠﴾	یہ کہتے ہیں کیا ہم ضرور لوٹائے جائیں گے پہلی حالت میں۔	10. They say: "Shall we really be restored to our former state."
ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۭ ﴿١١﴾	کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں کھوکھلی۔	11. "Is it, when we shall have become rotten bones, hollow."
قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ	کہتے ہیں یہ پھر ہو گا لوٹنا سراسر	12. They say: "It would then be a

return with sheer loss.” *4	نقصان کا۔ *4	﴿١٢﴾

*4 That is, when they were told that they would surely be raised back to life after death, they started mocking it, saying to one another: Well, if we have really to be restored to our former state of life, then we would certainly be doomed.

*4 یعنی جب اُن کو جواب دیا گیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا تو وہ مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے یارو، اگر واقعی ہمیں پلٹ کر دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس آنا پڑا تب تو ہم مارے گئے، اس کے بعد تو پھر ہماری خیر نہیں ہے۔

13. Then only, it would be a shout, once.	تو بس وہ ہوگی ڈانٹ ایک بار۔	فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾
14. Then they all will suddenly be upon the earth. *5	اس وقت وہ سب آ جمع ہوں گے میدان میں۔ *5	فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

*5 That is, they are mocking it as an impossibility, whereas it is not at all a difficult task for Allah for the performance of which He may have to make lengthy preparations. For it only a single shout or cry is enough at which your dust of ash will gather together from wherever it lay, and you will suddenly find yourself alive on the back of the earth. Thinking this return to be a return to loss, you may try to escape from it however hard you may, but it will inevitably take place; it cannot be averted by your denial, escape or mockery.

*5 یعنی یہ لوگ اسے ایک امر محال سمجھ کر اس کی ہنسی اڑا رہے ہیں، حالانکہ اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل کام

نہیں ہے جس کو انجام دینے کے لیے کچھ بڑی لمبی چوڑی تیاریوں کی ضرورت ہو۔ اِس کے لیے صرف ایک ڈانٹ یا جھڑکی کافی ہے جس کے ساتھ ہی تمہاری خاک یا راکھ، خواہ کہیں پڑی ہو، ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے گی اور تم یکایک اپنے آپ کو زمین کی پیٹھ پر زندہ موجود پاؤ گے۔ اِس واپسی کو گھاٹے کی واپسی سمجھ کر چاہے تم اِس سے کتنا ہی فرار کرنے کی کوشش کرو، یہ تو ہو کر رہنی ہے، تمہارے انکار یا فرار یا تمسخر سے یہ رُک نہیں سکتی۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۘ ﴿۱۵﴾	کیا*6 تم کو پہنچی ہے حکایت موسیٰ کی۔	15. Has*6 there reached you the story of Moses.

*6 As the denial of the Resurrection and Hereafter by the disbelievers of Makkah and their mockery of it was not, in fact, rejection of a philosophy but belying Allah's Messengers, and the tricks that they were employing against the Prophet (peace be upon him) were not against an ordinary man but were meant to frustrate the mission of Allah's Messenger (peace be upon him), the story of the Prophet Moses (peace be upon him) and the Pharaoh is being related before giving additional arguments for the occurrence of the Hereafter so that they are warned of the consequences of fighting with the Messenger and resisting the God Who sent him.

*6 چونکہ کفار مکہ کا قیامت اور آخرت کو نہ ماننا اور اس کا مذاق اُڑانا دراصل کسی فلسفے کو رد کرنا نہیں تھا بلکہ اللہ کے رسول کو جھٹلانا تھا، اور جو چالیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چل رہے تھے وہ کسی عام آدمی کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کے رسول کی دعوت کو زک دینے کے لیے تھیں، اس لیے وقوعِ آخرت کے مزید دلائل دینے سے پہلے اُن کو حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ سنایا جا رہا ہے تاکہ وہ خبردار ہو جائیں کہ رسالت سے ٹکرانے اور رسول کے بھیجنے والے خدا کے مقابلے میں سر اٹھانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

16. When his Lord called out him in the sacred valley of Tuwa. *7	جب پکارا اسکو اس کے رب نے پاک میدان میں طوٰی کے۔ *7	اِذۡ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ﴿۱۶﴾

*7 According to general opinion among the commentators the sacred valley of Tuwa means the sacred valley which was named Tuwa. But, besides this, two other meanings of it also have been given:
(1) The valley that was blessed and made sacred twice, for it was first made sacred when Allah spoke to Moses (peace be upon him) in it for the first time, and it was blessed and made sacred for the second time when the Prophet Moses (peace be upon him) led the children of Israel out of Egypt and brought them into it.
(2) Called out to him in the sacred valley in the night, and this is according to the meaning of tuwa in the Arabic idiom.

*7وادی مقدّسِ طویٰ کے معنی بالعموم مفسرین نے یہ بیان کیے ہیں کہ "وہ مقدّس وادی جس کا نام طویٰ تھا"۔ لیکن اس کے علاوہ اس کے دو معنی اور بھی بیان کیے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ "وہ وادی جو دومرتبہ مقدّس کی گئی"، کیونکہ ایک دفعہ اُسے اُس وقت مقدس کیا گیا جب پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے وہاں حضرت موسیٰ کو مخاطب فرمایا، اور دوسری دفعہ اسے تقدیس کا شرف اُس وقت بخشا گیا جب حضرت موسیٰ مصر سے بنی اسرائیل کو نکال کر اس وادی میں لائے ۔ دوسرے یہ کہ "رات کے وقت وادی مقدس میں پکارا"۔ عربی میں محاورہ ہے جاءَ بعد طُوی، یعنی فلاں شخص میرے پاس رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد آیا۔

17. Go to Pharaoh, indeed he has become rebellious.	جاؤ فرعون کے پاس یقیناً وہ سرکش ہوگیا ہے۔	اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۖ ﴿۱۷﴾

18. Then say: "Would you (be willing) to that you become purified."	پھر کہو کہ کیا تو (چاہتا ہے) یہ کہ پاک ہو جائے۔	فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾
19. "And I may guide you to your Lord, so you may have fear." *8	اور میں تجھ سے راہ دکھاؤں تیرے رب کی تاکہ تجھ کو خوف پیدا ہو۔ *8	وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

*8 Here, one should understand a few things well: (1) The dialogue that took place between the Prophet Moses (peace be upon him) and Allah Almighty at the time of appointing him to the office of Prophethood has been related at some places briefly and at others in full detail in the Quran as the occasion demanded. Here, brevity was the need, therefore, only a resume has been given. Full details are found in Surah TaHa, Ayats 9-48; Surah Ash-Shuara, Ayats 10-17; Surah An-Naml, Ayats 7-12, Surah Al-Qasas, Ayats: 29-35.

(2) The rebellion of the Pharaoh referred to here relates to his transgressing the bounds of service and rebelling both against the Creator and against His creatures. As for his rebellion against the Creator, it is being mentioned a little below when he gathered his people together and proclaimed: I am your lord, the supreme. As against the creatures his rebellion was that he had divided his subjects into classes; he treated the weak classes tyrannically and had reduced his entire nation to slavery as has been mentioned in Surah Al-Qasas, Ayat 4 and Surah Az-Zukhruf, Ayat 54.

(3) The instruction given to Moses (peace be upon him) was: Go, you and your brother Aaron, to Pharaoh for he has transgressed all bounds. Talk to him gently; maybe that he is convinced by admonition or is imbued with fear. (Surah TaHa, Ayat 44). One model of the gentle speech has been given in these verses, which shows what right method a preacher should adopt when preaching to a perverted man. Other models are given in Surah TaHa, Ayats 49-52; Surah Ash-Shuara, Ayats 23-28 and Surah Al-Qasas, Ayat 37. These verses are of those in which Allah has taught the correct methods of preaching Islam in the Quran.
(4) The Prophet Moses (peace be upon him) had not been sent to Pharaoh only for the deliverance of the children of Israel as some people seem to think but the primary object of his appointment was to show Pharaoh and his people the right way, and the second object was that if he did not accept the right way, the children of Israel (who in fact were a Muslim people) should be taken out of his slavery and from Egypt. This thing becomes plain from these verses too, for there is no mention whatsoever in these of the deliverance of the children of Israel, but the Prophet Moses (peace be upon him) has been commanded to present the message of the truth before Pharaoh, and this is confirmed by those verses also in which the Prophet Moses (peace be upon him) has preached Islam as well as demanded freedom of the children of Israel, e.g. see Surah Al-Aaraf, Ayats 104-105, Surah TaHa, Ayats 47-52; Surah Ash-Shua ara, Ayats 16-17, 23-28. (For further explanation, see E.N. 74 of Younus).

(5) Here, to adopt purity means to adopt purity of belief, morals and deeds, or, in other words, to accept Islam. Ibn Zaid says: Wherever in the Quran the word *tazakka* (purity) has been use, it implies acceptance of Islam. As an example of this he has cited the following three verses: And this is the reward of him who adopts purity, i.e. accepts Islam; and what would make you know that he might adopt purity, i.e. becomes a Muslim (Surah Abasa, Ayat 3); And you would not be responsible if he did not adapt purity, i.e. did not become a Muslim (Surah Abasa, Ayat 7). (Ibn Jarir).

(6) That I may guide you to your Lord so that you may have fear (of Him) means: When you recognize your Lord and come to know that you are His slave, and not a free man, you will inevitably have fear of Him in your heart, for fear of God is the thing on which depends the right attitude of man in the world. Without the knowledge and fear of God no purity of the self can be possible.

8* یہاں چند باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہییں: (۱) حضرت موسیٰ کو منصبِ نبوت پر مقرر کرتے وقت جو باتیں اُن کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوئی تھیں اُن کو قرآن مجید میں حسبِ موقع کہیں مختصر اور کہیں مفصل بیان کیا گیا ہے ۔ یہاں موقع اختصار کا طالب تھا، اس لیے اُن کا صرف خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔ سورہ طٰہٰ، آیات ۹ تا ۴۸، سورہ شعراء ، آیات ۱۰ تا ۱۷، سورہ نمل، آیات ۷ تا ۱۲، اور سورہ قصص، آیات ۲۹ تا ۳۵ میں ان کی تفصیل بیان ہوئی ہے ۔ (۲) فرعون کی جس سرکشی کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خالق اور خلق ، دونوں کے مقابلے میں سرکشی کرنا ہے ۔ خالق کے مقابلے میں اُس سرکشی کا ذکر تو آگے آرہا ہے کہ اس نے اپنی رعیت کو جمع کر کے اعلان کیا کہ ”میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں“ ۔ اور خلق کے مقابلے میں اس کی سرکشی یہ تھی کہ اس نے اپنی مملکت کے باشندوں کو مختلف گروہوں اور طبقوں میں بانٹ

رکھا تھا، کمزور طبقوں پر وہ سخت ظلم و ستم ڈھا رہا تھا، اور اپنی پوری قوم کو بیوقوف بنا کر اس نے غلام بنا رکھا تھا، جیسا کہ سورہ قصص آیت ۴ اور سورہ زُخرُف آیت ۵۴ میں بیان کیا گیا ہے۔ (۳) حضرت موسیٰ کو ہدایت فرمائی گئی تھی کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى، ”تم اور ہارون دونوں بھائی اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے اور خدا سے ڈرے“ (القصص، آیت ۴۴) اس نرم کلام کا ایک نمونہ تو اِن آیات میں دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کو کسی بگڑے ہوئے آدمی کی ہدایت کے لیے کس حکمت کے ساتھ تبلیغ کرنی چاہیے۔ دوسرے نمونے سورہ طٰہٰ، آیات ۴۹ تا ۵۲، الشعراء، ۲۳ تا ۲۸، اور القصص، آیت ۳۷ میں دیے گئے ہیں۔ یہ منجملہ اُن آیات کے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکمتِ تبلیغ کی تعلیم دی ہے۔ (۴) حضرت موسیٰ صرف بنی اسرائیل کی رہائی کے لیے ہی فرعون کے پاس نہیں بھیجے گئے تھے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ ان کی بعثت کا پہلا مقصد فرعون اور اس کی قوم کو راہ راست دکھانا تھا، اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ راہ راست قبول نہ کرے تو بنی اسرائیل کو (جو اصل میں ایک مسلمان قوم تھے) اُس کی غلامی سے چھڑا کر مصر سے نکال لائیں۔ یہ بات اِن آیات سے بھی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اِن میں سرے سے بنی اسرائیل کی رہائی کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ حضرت موسیٰ کو فرعون کے سامنے سے صرف حق کی تبلیغ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اُن مقامات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت موسیٰ نے تبلیغ اسلام بھی کی ہے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو (الاَعراف، آیات ۱۰۴۔۱۰۵۔ طٰہٰ، آیات ۴۷ تا ۵۲۔ الشعراء، آیات ۱۶۔۱۷ و ۲۳ تا ۲۸۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، یونس، حاشیہ ۷۴)۔ (۵) یہاں پاکیزگی (تَزَكّٰى) اختیار کرنے کا مطلب عقیدے اور اخلاق اور اعمال کی پاکیزگی اختیار کرنا، یا دوسرے الفاظ میں اسلام قبول کر لینا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ قرآن مجید جہاں بھی تَزَكّٰى کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآن مجید کی حسبِ ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى، ”اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے“۔ یعنی اسلام لے آئے۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى، اور ”تمہیں کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی اختیار کرے“،

یعنی مسلمان اسلام لے آئے۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى،" اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے"یعنی مسلمان نہ ہو(ابن جریر)۔

(٦) یہ ارشادکہ "میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تو(اس کا خوف)تیرے دل میں پیدا ہو"، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تو اپنے رب کو پہچان لے گا اور تجھے معلوم ہو جائے گا تو اُس کا بندہ ہے، مردِ آزاد نہیں ہے، تو لازماً تیرے دل میں اُس کا خوف پیدا ہوگا، اور خوفِ خدا ہی وہ چیز ہے جس پر دنیا میں آدمی کے رویے کے صحیح ہونے کا انحصار ہے۔ خدا کی معرفت اور اس کے خوف کے بغیر کسی پاکیزگی کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿٢٠﴾	پھر اس نے دکھائی اسکو بڑی نشانی۔ *9	20. Then he showed him the great sign. *9

*9 The great sign: The turning of the staff into a serpent, as has been mentioned at several places in the Quran. Obviously there could be no greater sign than that a lifeless staff should turn into a living serpent right in front of the eyes of the people, that it should devour the artificial serpents produced by the magicians out of their staffs and cords, and when the Prophet Moses (peace be upon him) should pick it up, it should become a walking stick again. This was proof that it was Allah, Lord of the worlds, Who had sent Moses (peace be upon him) as a Prophet.

*9 بڑی نشانی سے مراد عصا کا اژدہا بن جانا ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک بیجان لاٹھی سب دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے اعلانیہ اژدہا بن جائے، جادوگر اُس کے مقابلے میں لاٹھیوں اور رسیوں کے جو مصنوعی اژدھے بنا کر دکھائیں ان سب کو وہ نگل جائے، اور پھر حضرت موسیٰ جب اس کو پکڑ کر اٹھالیں تو وہ پھر لاٹھی بن کر رہ جائے۔ یہ اس

بات کی صریح علامت تھی کہ وہ اللہ رب العالمین ہی ہے جس کی طرف سے حضرت موسیٰ بھیجے گئے ہیں۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿٢١﴾	مگر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔	21. But he denied and disobeyed.
ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿٢٢﴾	پھر لوٹ گیا ۔ کوشش کرنے لگا۔ *10	22. Then he turned back, striving hard. *10

*10 According to the details given at other places in the Quran, he summoned skilful magicians from all over Egypt and made them produce serpents out of sticks and cords in front of the assembled people so that they were convinced that Moses (peace be upon him) was not a Prophet but a magician, and that the miracle worked by him of turning a staff into a serpent, could also be worked by other magicians. But this device of his recoiled upon himself and the defeated magicians themselves admitted that what Moses (peace be upon him) had displayed was no magic but a miracle.

*10 اس کی تفصیل دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس نے تمام مصر سے ماہر جادوگروں کو بلوایا اور ایک مجمع عام میں ان سے لاٹھیوں اور رسیوں کے اژدہے بنوا کر دکھائے تاکہ لوگوں کو یقین آجائے کہ موسیٰ علیہ السلام کوئی نبی نہیں بلکہ ایک جادوگر ہیں، اور لاٹھی کا اژدہا بنانے کا جو کرشمہ انہوں نے دکھایا ہے وہ دوسرے جادوگر بھی دکھا سکتے ہیں۔ لیکن اس کی یہ چال اُلٹی پڑی اور جادوگروں نے شکست کھا کر خود تسلیم کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿٢٣﴾	سو اس نے اکٹھا کیا پھر پکارا۔ *11	23. So gathered he then summoned. *11

*11 This proclamation of Pharaoh has been mentioned at several places in the Quran. On one occasion he said to the

Prophet Moses (peace be upon him): If you took another one as a deity beside me, I would cast you in the prison. (Surah Ash-Shuara, Ayat 29). On another occasion he had addressed his courtiers, saying: O chiefs, I do not know of any god of yours other than myself. (Surah Al-Qasas, Ayat 38). By this Pharaoh did not mean, nor could he ever mean, that he himself was the creator of the universe and he had made the world, nor that he denied the existence of Allah and claimed to be lord of the universe, nor that he regarded only himself as a deity of the people in the religious sense. In the Quran itself there is a clear testimony that as regards to religion he himself worshipped other gods. Once his courtiers said to him: Will you leave Moses (peace be upon him) and his people free to spread chaos in the land, and let them discard you and your deities? (Surah Al-Aaraf, Ayat 127). And in the Quran itself this saying of the Pharaoh has also been cited: Had Moses (peace be upon him) been sent by Allah, why were not bracelets of gold sent down to him, or a company of angels as attendants? (Surah Az-Zukhruf, Ayat 53). Thus, in fact, he called himself a god and supreme deity not in the religious but in the political sense. What he meant was that he possessed the sovereign rights: no one beside him had the right to rule in his kingdom and there was no superior power whose orders could be enforced in the land. (For further explanation. see E.N. 85 of Surah Al-Aaraf; E.N. 21 of Surah TaHa; E.Ns 24, 26 of Surah Ash-Shuara; E-Ns 52, 53 of Surah Al-Qasas; E.N. 49 of Surah Az-Zukhruf).

11*فرعون کا یہ دعویٰ کئی مقامات پر قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر اس نے حضرت موسیٰ

سے کہا کہ "اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو خدا بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا" (الشعراء، آیت ۲۹)۔ ایک اور موقع پر اس نے اپنے دربار میں لوگوں کو خطاب کر کے کہا "اے سردارانِ قوم، میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا بھی ہے" (القصص، آیت ۳۸)۔ ان ساری باتوں سے فرعون کا یہ مطلب نہ تھا، اور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہی کائنات کا خالق ہے اور اسی نے یہ دنیا پیدا کی ہے۔ یہ مطلب بھی نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر اور خود رب العالمین ہونے کا مدعی تھا۔ یہ مطلب بھی نہ تھا کہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو مذہبی معنوں میں لوگوں کا معبود قرار دیتا تھا۔ قرآن مجید ہی میں اِس بات کی شہادت موجود ہے کہ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے وہ خود دوسرے معبودوں کی پرستش کرتا تھا، چنانچہ اس کے اہلِ دربار ایک موقع پر اس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ "کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یہ آزادی دیتے چلے جائیں گے کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں"؟ (الاعراف، آیت ۱۲۷)۔ اور قرآن میں فرعون کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ اگر موسیٰ خدا کا بھیجا ہوا ہوتا تو کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا اس کے ساتھ ملائکہ اس کی اردلی میں کیوں نہ آئے؟ (الزخرف، آیت ۵۳)۔ پس در حقیقت وہ مذہبی معنی میں نہیں بلکہ سیاسی معنی میں اپنے آپ کو الٰہ اور ربِّ اعلیٰ کہتا تھا، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک میں ہوں، میرے سوا کسی کو میری مملکت میں حکم چلانے کا حق نہیں ہے، اور میرے اوپر کوئی بالاتر طاقت نہیں ہے جس کا فرمان یہاں جاری ہو سکتا ہو (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۸۵۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۲۱۔ الشعراء، حواشی ۲۴،۲۶۔ القصص، حواشی ۵۲۔۵۳۔ جلد چہارم، الزخرف، حاشیہ ۴۹)۔

24. Then proclaimed "I am your Lord, the highest."	پھر کہنے لگا میں ہوں تمہارا رب سب سے بڑا۔	فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾
25. So Allah seized him in exemplary punishment for the	تو اللہ نے پکڑ لیا اسکو عبرتناک سزا میں آخرت اور دنیا کی ۔	فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

life after and the former.		
26. Indeed, in this is a sure lesson for him who fears. *12	بیشک اس میں ہے بڑی عبرت اس کے لئے جوڈر رکھتا ہے۔ *12	اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ؕ ﴿۲۶﴾

*12 Who fears: who fears the consequences of denying God's Messenger, which the Pharaoh experienced in the past.

12*یعنی خدا کے رسول کو جھٹلانے کے اُس انجام سے ڈرے جو فرعون دیکھ چکا ہے۔

27. Are *13 you harder to create, or the heaven, *14 He built it.	کیا *13تمہارا مشکل ہے بنانا یا آسمان کا *14۔ اس نے اسکو بنایا۔	ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۚ وقفة ﴿۲۷﴾

*13 Now arguments are being given for the possibility of Resurrection and life after death and their being the very demand and requirement of wisdom.

13*اب قیامت اور حیات بعد الموت کے ممکن اور مقتضائے حکمت ہونے کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

*14 Here, creation implies the recreation of men, and the heaven the entire firmament which contains countless stars and planets, and innumerable solar systems and galaxies, means to say: You think that your resurrection after death is something extremely improbable and you express wonder saying: How is it possible that when our very bones will have decayed and become rotten the scattered particles of our bodies will be reassembled and made living once again. But have you ever also considered whether the great

universe is harder to create or your own re-creation in the form in which you were created in the first instance. The God Who created you in the first instance cannot be powerless to create you once again. This same argument for life after death has been given at several places in the Quran. For example, in Surah YaSeen it has been said: Is not He Who created the heavens and the earth able to create the like of them (again). Why not, when He is the skillful Creator. (verse 81). And in Surah Al-Momin it has been said: Surely the creation of the heavens and the earth is a greater task than the creation of man, but most people do not know. (verse 57).

14* تخلیق سے مراد انسانوں کی دوبارہ تخلیق ہے اور آسمان سے مراد وہ پورا عالمِ بالا ہے جس میں بے شمار ستارے اور سیارے، بے حدوحساب شمسی نظام اور اَن گنت کہکشاں پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کوئی بڑا ہی امرِ محال سمجھتے ہو، اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی ہوں گی اُس حالت میں ہمارے پراگندہ اجزائے جسم پھر سے جمع کر دیے جائیں اور ان میں جان ڈال دی جائے، کبھی اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اِس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ سخت کام ہے یا تمہیں ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد دوبارہ اِسی شکل میں پیدا کر دینا؟ جس خدا کے لیے وہ کوئی مشکل کام نہ تھا اس کے لیے آخر یہ کیوں ایسا مشکل کام ہے کہ وہ اِس پر قادر نہ ہو سکے؟ حیات بعد الموت پر یہی دلیل قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دی گئی ہے۔ مثلاً سورہ یٰس میں ہے "اور کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اِس پر قادر نہیں ہے کہ اِن جیسوں کو (پھر سے) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہ تو بڑا زبردست خالق ہے، تخلیق کے کام کو خوب جانتا ہے" (آیت ۸۱)۔ اور سورہ مومن میں فرمایا۔ "یقیناً آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں" (آیت ۵۷)۔

28. He raised its vault high, then	اونچا کیا اس کی چھت کو پھر اس کا	رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰىهَا ۙ ﴿۲۸﴾

proportioned it.	توازن قائم کیا۔	
29. And He darkened its night and He brought forth its day. *15	اور تاریک بنائی اسکی رات اور ظاہر کیا اسکے دن کو۔ *15	وَ اَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَ اَخۡرَجَ ضُحٰهَا ۪ ﴿۲۹﴾

*15 The night and the day have been attributed to the heaven, for the night falls when the sun of the heavens sets and the day dawns when it rises. The word cover has been used for the night in the sense that after the sun has set the darkness of the night so spreads over the earth as though it has covered it from above by a curtain.

*15 رات اور دن کو آسمان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کیونکہ آسمان کا سورج غروب ہونے سے ہی رات آتی ہے اور اسی کے طلوع ہونے سے دن نکلتا ہے۔ رات کے لیے ڈھانکنے کا لفظ اس معنی میں استعمال کیا گیا ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد رات کی تاریکی اس طرح زمین پر چھا جاتی ہے جیسے اُوپر سے اس پر پردہ ڈال کر ڈھانک دیا گیا ہو۔

30. And the earth, after that, He spread out. *16	اور زمین کو اسکے بعد پھیلا دیا۔ *16	وَ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ؕ ﴿۳۰﴾

*16 After that He spread out the earth, does not mean that Allah created the earth after the creation of the heavens, but it is a style of expression just like our saying after making mention of something: Then this is noteworthy. The object is not to express the sequence of occurrence between the two things but to draw attention from the first to the second thing although both may exist together. Several instances of this style are found in the Quran, e.g. in Surah Al-Qalam it is said: (He is) oppressive, and after that,

ignoble by birth. This does not mean that first he became oppressive and then he turned ignoble by birth, but it means: He is oppressive, and above all, ignoble by birth. Likewise, in Surah Al-Balad it is said: Should free a slave, then be of those who believe. This also does not mean that first he should act righteously and then believe, but that along with doing righteous deeds he should also be characterized by belief. Here, one should also understand that at some places in the Quran the creation of the earth has been mentioned first and then the creation of the heavens, as in Surah Al-Baqarah, Ayat 29, and at others the creation of the heavens has been mentioned first and then of the earth, as in these verses. There is, in fact, no contradiction in this. At no place the object is to tell what was created first and what afterwards, but wherever the context requires that the excellences of the power of Allah be made prominent, the heavens have been mentioned first and then the earth, and where the context requires that the people be made to appreciate and acknowledge the blessings that they are benefiting by on the earth, the mention of the earth has been made before that of the heavens. (For further explanation, see E.Ns 13,14 of Surah HaMim As-Sajdah).

16* "اس کے بعد زمین کو بچھانے" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی، بلکہ یہ ایسا ہی طرز بیان ہے جیسے ہم ایک بات کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں "پھر یہ بات غور طلب ہے"۔ اس سے مقصود ان دونوں باتوں کے درمیان واقعاتی ترتیب بیان کرنا نہیں ہوتا کہ پہلے یہ بات ہوئی اور اس کے بعد دوسری بات، بلکہ مقصود ایک بات کے بعد دوسری بات کی توجہ دلانا ہوتا ہے اگرچہ دونوں

ایک ساتھ پائی جاتی ہوں۔ اِس طرزِ بیان کی متعدد نظیریں خود قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً سورہ قلم میں فرمایا عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ "جفا کار ہے اور اس کے بعد بد اصل"۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے وہ جفا کار بنا اور اس کے بعد بد اصل ہوا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جفا کار ہے اور اس پر مزید یہ کہ بد اصل بھی ہے۔ اسی طرح سورہ بلد میں فرمایا فَکُّ رَقَبَۃ..... ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ "غلام آزاد کرے۔۔۔۔۔۔ پھر ایمان لانے والوں میں سے ہو"۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے وہ نیک اعمال کرے، پھر ایمان لائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن نیک اعمال کے ساتھ ساتھ اس میں مومن ہونے کی صفت بھی ہو۔ اِس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن میں کہیں زمین کی پیدائش کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور آسمان کی پیدائش کا ذکر بعد میں، جیسے سورہ بقرہ آیت ۲۹ میں ہے، اور کسی جگہ آسمان کی پیدائش کا ذکر پہلے اور زمین کی پیدائش کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے، جیسے اِن آیات میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ دراصل تضاد نہیں ہے۔ اِن مقامات میں سے کسی جگہ بھی مقصود کلام یہ بتانا نہیں ہے کہ کسے پہلے بنایا گیا اور کسے بعد میں بلکہ جہاں موقع و محل یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمالات کو نمایاں کیا جائے وہاں آسمانوں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور زمین کا بعد میں، اور جہاں سلسلہ کلام اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ لوگوں کو اُن نعمتوں کا احساس دلایا جائے جو انہیں زمین پر حاصل ہو رہی ہیں وہاں زمین کے ذکر کو آسمانوں کے ذکر پر مقدم رکھا گیا ہے (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم، حٰمٓ السجدہ، حواشی ۱۳۔۱۴)۔

31. He brought out, from within it, its water and its pasture. *17	نکالا اس میں سے اسکا پانی اور اسکا چارہ۔ *17	اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۪ ﴿۳۱﴾

*17 Pasture, here does not only imply pasture and fodder for the animals but all kinds of herbal produce suitable for consumption both by man and by animal. An example of the use of *raat*, which is generally used in Arabic for the grazing animals, is found in Surah Yusuf, Ayat 12,

signifying that this word is sometimes used for man also. The brothers of Joseph said to their father: Send Joseph with us tomorrow that he may freely graze and enjoy sport. Here, the word grace (*raat*) for the child has been used in the meaning that he may move about freely in the jungle and pluck and eat fruit.

*17 چارہ سے مراد اِس جگہ صرف جانوروں کا چارہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام نباتات مراد ہیں جو انسان اور حیوان دونوں کی غذا کے کام آتے ہیں۔ رَعی اور رُتْع اگرچہ بالعموم عربی زبان میں جانوروں کے چرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی انسان کے لیے بھی استعمال کر لیے جاتے ہیں، مثلاً سورہ یوسف میں آیا ہے کہ حضرت یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیں کہ کچھ چر چگ لے اور کھیلے" (آیت ۱۲)۔ یہاں بچے کے لیے چرنے (رَتْع) کا لفظ جنگل میں چل پھر کر پھل توڑنے اور کھانے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

32. And the mountains, He fixed them firmly.	اور پہاڑ۔ اسنے انکو مضبوط قائم کر دیا۔	وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۙ ﴿۳۲﴾
33. A sustenance for you and for your cattle. *18	فائدے کو تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔ *18	مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ؕ ﴿۳۳﴾

*18 In these verses arguments have been given for the Resurrection and life after death from two aspects: First, that it is not at all difficult to establish these for the power of that God Who has made this vast and huge universe with such wonderful balance and this earth with such provisions. Second, that the pointers to the perfect wisdom of Allah which are clearly visible in the universe and the earth, point out that nothing is happening here purposelessly. The balance that exists between countless stars and planets and

galaxies in the heavens, testifies that all this has not happened haphazardly, but there is a well thought-out plan working behind it. The regular alternation of the night and day is an evidence that this system has been established with supreme wisdom and knowledge for making the earth a home and place of settlement. On this very earth are found regions where the alternation of the night and day takes place within 24 hours and also those regions where there are longer days and longer nights. A very large part of the earth's population lives in the first kind of the regions. Then as the days and nights go on becoming longer and longer, life goes on becoming harder and harder and population thinner and thinner. So much so that the regions where there are six-month-long days and six-month-long nights, are not at all fit for human settlement. Arranging both these types of the land on this very earth Allah has provided the evidence that this regular order of the alternation of night and day has not come about accidentally but has been brought about with great wisdom precisely in accordance with a scheme to make the earth a place fit for human settlement. Likewise, spreading out the earth so that it becomes a fit place to live in, providing in it that water which should be palatable for man and animal and a cause of growth for vegetation, setting in it mountains and creating all those things which may become a means of life for both man and animal. All these are a manifest sign that they are not chance happenings of the purposeless works of a care-free person but each one of these has been arranged purposefully by a Supreme, Wise Being. Now

every sensible and intelligent man can consider for himself whether the necessity and occurrence of the Hereafter is the requirement of wisdom or its negation. The person who in spite of seeing all this says that there is no Hereafter, in fact, says that everything in the universe is happening wisely and purposefully, but only the creation of man on the earth as a being endowed with sense and power is meaningless and foolish. For there could be nothing more purposeless than delegating to man vast powers of appropriation in the earth and providing him an opportunity to do good as well as evil deeds but then failing to ever subject him to accountability.

18*ان آیات میں قیامت اور حیات بعد الموت کے لیے دو حیثیتوں سے استدلال کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ اُس خدا کی قدرت سے اِن کا برپا کرنا ہرگز بعید نہیں ہے جس نے یہ وسیع و عظیم کائنات اِس حیرت انگیز توازن کے ساتھ اور یہ زمین اِس سرو سامان کے ساتھ بنائی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے کمالِ حکمت کے جو آثار اِس کائنات اور اِس زمین میں صریحاً نظر آرہے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں کوئی کام بے مقصد نہیں ہو رہا ہے۔ عالمِ بالا میں بے شمار ستاروں اور سیاروں اور کہکشانوں کے درمیان جو توازُن قائم ہے وہ شہادت دے رہا ہے کہ یہ سب کچھ الل ٹپ نہیں ہوگیا ہے بلکہ کوئی بہت سوچا سمجھا منصوبہ اِس کے پیچھے کارفرما ہے۔ یہ رات اور دن کا باقاعدگی سے آنا اس بات پر گواہ ہے کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے یہ نظم کمال درجہ دانائی کے ساتھ قائم کیا گیا ہے۔ خود اسی زمین پر وہ خطے بھی موجود ہیں۔ جہاں ۲۴ گھنٹے کے اندر دن اور رات کا الٹ پھیر ہو جاتا ہے اور وہ خطے بھی موجود ہیں جہاں بہت لمبی راتیں ہوتی ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصہ پہلی قسم کے خطوں میں ہے، اور جہاں رات اور دن جتنے زیادہ لمبے ہوتے جاتے ہیں وہاں زندگی زیادہ سے زیادہ دشوار اور آبادی کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ ۶ مہینے کے دن اور ۶ مہینے کی راتیں رکھنے والے علاقے آبادی کے بالکل قابل نہیں ہیں۔ یہ دونوں نمونے اِسی زمین پر دکھا کر اللہ تعالیٰ

نے اِس حقیقت کی شہادت پیش کر دی ہے کہ رات اور دن کی آمد ورفت کا یہ باقاعدہ انتظام کچھ اتفاقاً نہیں ہو گیا ہے بلکہ یہ زمین کو آبادی کے قابل بنانے کے لیے بڑی حکمت کے ساتھ ٹھیک ایک اندازے کے مطابق کیا گیا ہے ۔ اِسی طرح زمین کو اس طرح بچھانا کہ وہ قابلِ سکونت بن سکے، اِس میں وہ پانی پیدا کرنا جو انسان اور حیوان کے لیے پینے کے قابل اور نباتات کے لیے روئیدگی کے قابل ہو، اِس میں پہاڑوں کا جانا اور وہ تمام چیزیں پیدا کرنا جو انسان اور ہر قسم کے حیوانات کے لیے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بن سکیں، یہ سارے کام اس بات کی صریح علامت ہیں کہ یہ اتفاقی حوادث یا کسی کھلنڈرے کے بے مقصد کام نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے ہر کام ایک بہت بڑی حکیم و دانا ہستی نے بامقصد کیا ہے ۔ اب یہ ہر صاحبِ عقل آدمی کے خود سوچنے کی بات ہے کہ آیا آخرت کا ہونا حکمت کا تقاضا ہے یا نہ ہونا؟ جو شخص اِن ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود یہ کہتا ہے کہ آخرت نہیں ہوگی وہ گویا یہ کہتا ہے کہ یہاں اور سب کچھ تو حکمت اور مقصدیت کے ساتھ ہو رہا ہے، مگر زمین پر انسان کو ذی ہوش اور با اختیار بنا کر پیدا کرنا بے مقصد اور بے حکمت ہے ۔ کیونکہ اس سے بڑی بے مقصد اور بے حکمت بات نہیں ہوسکتی کہ اِس زمین میں تصرّف کے وسیع اختیارات دے کر انسان کو یہاں ہر طرح کے اچھے اور برے کام کرنے کا موقع تو دے دیا جائے مگر کبھی اس کا محاسبہ نہ کیا جائے ۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿٣٤﴾	پھر جب آئے گی بہت بڑی آفت ۔ *19	34. Then, when there comes the greatest catastrophe. *19

*19 This implies the Resurrection for which the words *at-Taammat alkubra* have been used. *Taammah* by itself is a grievous calamity which afflicts everybody. Then it has been further qualified by the word *kubra* (great), which shows that the mere word *taammah* is not enough to describe fully its intensity and severity.

*19 اس سے مراد ہے قیامت اس کے لیے الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ۔ طامہ

بجائے خود کسی ایسی بڑی آفت کو کہتے ہیں جو سب پر چھا جائے۔ اس کے بعد اس کے لیے کبریٰ کا لفظ مزید استعمال کیا گیا ہے جس سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی شدت کا تصور دلانے کے لیے محض لفظ طامہ بھی کافی نہیں ہے۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾	اس دن انسان یاد کرے گا جو کچھ وہ کرتا رہا۔ *20	35. That Day man shall remember what he strove for. *20

*20 That is, when man will see that the same Day of accountability of which he was being foretold in the world, has come, he will start remembering each one of his misdeeds done in the world even before his records are handed over to him. Some people experience this even in the world. If at some time they come across a dangerous situation suddenly when death seems to be staring them in the face, their whole life-film flashes across their mind's eye all at once.

*20 یعنی جب انسان دیکھ لے گا وہی محاسبہ کا دن آگیا ہے جس کی اُسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی، تو قبل اس کے کہ اُس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے، اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہے۔ بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اِس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہوجاتے ہیں جس میں موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو اپنی پوری زندگی کی فلم اُن کی چشمِ تصوّر کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾	اور دوزخ سامنے لا کر رکھ دی جائے گی ہر دیکھنے والے کے۔	36. And Hellfire shall be laid open for everyone who sees.

37. Then as for him who had rebelled.	پس یہ کہ وہ جس نے سرکشی کی۔	فَاَمَّا مَنۡ طَغٰی ۙ﴿۳۷﴾
38. And preferred the life of the world.	اور مقدم رکھا زندگی کو اس دنیا کی۔	وَاٰثَرَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ۙ﴿۳۸﴾
39. Then indeed, Hellfire is his abode.	تو بیشک دوزخ ہے اس کا ٹھکانہ۔	فَاِنَّ الۡجَحِیۡمَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ؕ﴿۳۹﴾
40. And as for him who had feared to stand before his Lord and restrained himself from evil desires.	اور یہ کہ وہ جو ڈرتا رہا کھڑے ہونے سے اپنے رب کے سامنے اور روکتا رہا نفس کو بے جا خواہشوں سے۔	وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ۙ﴿۴۰﴾
41. Then indeed, Paradise is his abode. *21	تو بیشک بہشت ہے اس کا ٹھکانہ۔ *21	فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ہِیَ الۡمَاۡوٰی ؕ﴿۴۱﴾

*21 Here, in a few words, it has been told briefly what shall be the criterion of the final judgment in the Hereafter. One kind of the conduct of life in the world is that transgressing all bounds of service man should rebel against his God and should make up his mind that he would seek only the benefits and pleasures of this world in whatever way they could be sought and achieved. The other kind of conduct is that while man passes life in the world he should constantly keep in view the truth that ultimately one day he has to stand before his Lord, and should refrain from fulfilling the evil desires of the self only for the fear that if he earned an

unlawful benefit in obedience to his self, or enjoyed an evil pleasure, what answer he would give to his Lord. The criterion of the judgment in the Hereafter will be which of the two kinds of conduct he adopted in the world. If he had adopted the first kind of conduct, his permanent abode would be Hell, and if he had adopted the second kind of conduct, his permanent home would be Paradise.

*21 یہاں چند مختصر الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ آخرت میں اصل فیصلہ کس چیز پر ہونا ہے۔ دنیا میں زندگی کا ایک رویہ ہے کہ آدمی بندگی کی حد سے تجاوز کرکے اپنے خدا کے مقابلے میں سرکشی کرے اور یہ طے کرلے کہ اِسی دنیا کے فائدے اور لذتیں اُسے مطلوب ہیں خواہ کسی طرح بھی وہ حاصل ہوں۔ دوسرا رویہ یہ ہے کہ یہاں زندگی بسر کرتے ہوئے آدمی اِس بات کو پیشِ نظر رکھے کہ آخر کار ایک دن اسے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اور نفس کی بری خواہشات کو پورا کرنے سے اِس لیے باز رہے کہ اگر یہاں اُس نے اپنے نفس کا کہا مان کر کوئی ناجائز فائدہ کما لیا یا کوئی ناروا لذت حاصل کرلی تو اپنے رب کو کیا جواب دے گا۔ آخرت میں فیصلہ اِس بات پر ہونا ہے کہ انسان نے اِن دونوں میں سے کونسا رویہ دنیا میں اختیار کیا۔ پہلا رویہ اختیار کیا ہو تو اس کا مستقل ٹھکانا دوزخ ہے، اور دوسرا رویہ اختیار کیا ہو تو اس کی مستقل جائے قیام جنت۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ﴿۴۲﴾	یہ تم سے پوچھتے ہیں (اے پیغمبر ﷺ) قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اس کا وقوع۔ *22	42. They ask you (O prophet), about the Hour. When is its appointed time. *22

*22 The disbelievers of Makkah asked this question of the Prophet (peace be upon him) over and over again. By this they did not mean to know the time and date of the coming of Resurrection but to mock it. (For further explanation, see E.N. 35 of Surah Al-Mulk).

*22 کفارِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال بار بار کرتے تھے اور اس سے مقصود قیامت کی آمد

کا وقت اور اس کی تاریخ معلوم کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کا مذاق اڑانا ہوتا تھا(مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد ششم، تفسیر سورہ ملک، حاشیہ ۳۵)۔

43. So what (concern) are you of mentioning it.	سو کیا (کام) تم کو اس کے ذکر سے۔	فِيمَ أَنتَ مِن ذِكْرَاهَا ۝٤٣
44. With your Lord is (the knowledge) of the term thereof.	تمہارے رب کے پاس ہے (علم) اس کے واقع ہونے کا۔	إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ۝٤٤
45. You are only a warner to him who fears it. *23	تم تو صرف ڈر سنانے والے ہو اسی کو جو اس سے ڈر رکھتا ہے۔ *23	إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ۝٤٥

*23 This we also have explained in E.N. 36 of Surah Al-Mulk. As for the words "you are only a Warner to him who fears it", they do not mean that it is not your duty to warn those who do not fear, but it means: Your warning will benefit only him who fears the coming of that Day.

*23 اِس کی تشریح بھی ہم تفسیر سورہ ملک، حاشیہ ۳۶ میں کر چکے ہیں۔ رہا یہ ارشاد کہ تم ہر اُس شخص کو خبردار کردینے والے ہو جو اس کا خوف کرے، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خوف نہ کرنے والوں کو خبردار کرنا تمہارا کام نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے خبردار کرنے کا فائدہ اسی کو پہنچے گا جو اُس دن کے آنے کا خوف کرے۔

46. As though they, on the day they see it, had not stayed except an evening or the morning thereof. *24	گویا کہ وہ جس دن اسکو دیکھیں گے نہیں رہے تھے مگر ایک شام یا اسکی صبح۔ *24	كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۝٤٦

***24 This theme has occurred at several places in the Quran and been explained in the following notes. For it, see E.N. 53 of Surah Younus; E.N. 56 of Surah Bani Israil; E.N. 80 of Surah TaHa; E.N. 101 of Surah Al-Mominoon; E.Ns 81, 82 of Surah Ar-Room; E.N. 48 of Surah YaSeen. Besides, this theme has also occurred in Surah Al-Ahqaf, Ayat 35.**

*24 یہ مضمون اس سے پہلے کئی جگہ قرآن میں بیان ہو چکا ہے اور ہم اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ، جلد دو، یونس، حاشیہ ۵۳۔ بنی اسرائیل، حاشیہ ۵۶۔ جلد سوم، طٰہٰ، حاشیہ ۸۰۔ المومنون، حاشیہ ۱۰۱۔ الروم، حواشی ۸۱۔ ۸۲۔ جلد چہارم ،یٰس، حاشیہ ۴۸۔ اس کے علاوہ یہ مضمون سورہ احقاف آیت ۳۵ میں بھی گزر چکا ہے جس کی تشریح ہم نے وہاں نہیں کی کیونکہ پہلے کئی جگہ تشریح ہو چکی تھی۔